حضرت امیر خسرو کو مقامات فارسی میں اسی قدر کامل اور راگھائے ہند میں بھی بخوبی مہارت حاصل تھی۔ ہر صغار و کبار ان کو نایک زمانہ تصور کرتے تھے۔ آپ نے طفلان تیز دست اور خوش آواز اور عقیل و فہیم انتخاب کر کے ہر ایک کو علیٰ قدر لیاقت کسی کو گانا کسی کو بجانا تعلیم کیا۔ اول بعوض پکھاوج ڈھولک نکالی۔ سترہ تالیں بعوض وزن بحور فارسی مقرر کیں اور بالعوض بین کے ستار نکالا۔ جس قدر لڑکے خوش آواز تھے۔ ان کو گانا سکھایا۔ بجائے دھرپد، دہوا، ماٹھا، چھند، پرسند، دھرپد چھ چیزیں قول قلبانہ، نقش، گل، ترانہ اور خیال ایجاد کیا۔

خسرو سے پہلے فارسی اشعار بارہ مختلف ایرانی اسالیب پر گائے جاتے تھے جن کو "جنگ ٹھاٹھ" کہتے تھے اور یہی راگوں کی تخلیقی اساس تھے۔ مثلاً راست، بزرگ، صفہ، زنگلہ، حسنائی، نواب وغیرہ ہر ٹھاٹھ سُر کی خفیف سی تبدیلی سے دو راگوں میں تقسیم کیا جاتا تھا جن کو شوبھا کہتے تھے۔ اس طریق سے چوبیس راگ پیدا ہوتے تھے جو رات اور دن کے چوبیس گھنٹوں میں مختلف اوقات پر گائے جاتے تھے۔ ان شوبھاؤں سے بعض کے نام یہ ہیں:- نوروز عرب، نوروز عجم، مبارک، ہمایوں وغیرہ موسیقی کا یہ سارا نظام "نقش" کہلاتا تھا۔ خسرو نے ان ایرانی راگوں کے چند سُروں کو لے کر انھیں بعض مروّج ہندوستانی سُروں سے ممزوج کر کے ایک نئی اور نادر چیز پیدا کر دی۔ اس طریقے سے جو راگ پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایمن (یمن) غازہ، زیلف، سرپردہ، سازگیری آج کل بھی بڑے شوق سے گائے جاتے ہیں۔ خسرو کے جو راگ متروک ہو چکے ہیں، وہ یہ ہیں: موافق (ہندی ٹوڈی کی ایک شکل) مجیّر (ہندی بیراری سے ماخوذ) حجاز (جس میں اساوری کی آمیزش ہے) اور عُشاق (جو سارنگ اور دیو گیری کا مرکب ہے)، سرود کے بعض نئے انداز بھی خسرو نے قائم کیے۔ مثلاً قول (قوالی) ترانہ، صوت، معرونق، بسیط، دوبہار، پچا اصول، غزل، امیر نے بعض تالیں بھی ایجاد کیں۔ مثلاً ساوری، فرودست، پشتو، قوالی وغیرہ جو اب تک رائج ہیں۔ ستار بھی خسرو ہی کی ایجاد ہے۔ جو "سہ تار" یعنی ابتداً تین تاروں کا ساز تھا۔

حقیقت میں امیر خسرو کے کمالات موسیقی اور ان کے اجتہادات پر ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے محض مختصر اشارات ان کے فن کی عظمت کو ظاہر نہیں کر سکتے، لیکن یہ تو سب کے نزدیک مُسلّم ہے، کہ اگر خسرو جیسا طباع اور کامل الفن شخص پیدا نہ ہوتا تو ہندوستانی موسیقی صرف جنگلوں کے جوگیوں ہی کے پاس رہ جاتی، اور یہ فن عوام میں تو درکنار سرکاروں درباروں میں بھی فروغ نہ پا سکتا۔

فیروز شاہ تغلق کے عہدِ حکومت میں ہر جمعہ کو نماز کے بعد کوئی تین ہزار موسیقار، قصّہ گو اور جسمانی کرتب دکھانے والے قصر سلطانی کے سامنے جمع ہوا کرتے تھے، اور سلطان انھیں انعامات سے نوازتا تھا۔[1]

بیجاپور کے سلطان عادل شاہ کا ذوقِ موسیقی سب مورخین کے نزدیک مُسلّم ہے۔ وہ بہت سے ماہرینِ موسیقی کو

---

[1] فرشتہ سوم ۸، ۳۰، ۳۱۔

وظائف و انعامات سے مالامال کرتا تھا لیکن اکثر کے مقابلے میں خود زیادہ ماہر تھا اور دو تین ساز نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے بجا لیتا تھا۔ اس کے دربار میں ہندوستانی موسیقاروں کے علاوہ ایران۔ ترکستان اور روم تک سے اہلِ فن آتے اور شاہی قدردانی سے مستفید ہوتے۔ اسماعیل عادل شاہ کی بھی یہی کیفیت تھی۔ وہ خود بھی گانے بجانے میں پوری مہارت رکھتا تھا، اور باکمالوں کی قدر بھی کرتا تھا۔[1]

امیر خسرو کے بعد ہندوستانی موسیقی کا بہت بڑا محسن اور بہت بڑا ماہر جونپور کا سلطان حسین شرقی تھا جس نے موسیقی میں گرانقدر اضافے کئے، اور مختلف راگ راگنیوں کے تال میل سے نئے نئے راگ اور راگنیاں اختراع کیں۔ مثلاً کانڑے کی دو قسمیں سلطان حسین شرقی نے ایجاد کیں۔ کلیان کی مشہور شاخ شام کلیان کی کوئی دس قسمیں سلطان ممدوح نے قائم کیں یعنی شام کلیان کو مختلف راگوں کے ساتھ ملا ملا کر گور شیام، بھوپال شیام، گنبھیر شیام، پوربی شیام، بسنت شیام وغیرہ ایجاد کیں۔ مثلاً ٹوڈی جونپوری، ٹوڈی رسولی وغیرہ۔ اسی طرح شدید بھیرویں بھی سلطان حسین ہی کی ایجاد ہے۔ اس نے دھرپد کی جگہ خیال کو رواج دیا۔

کتابوں میں لکھا ہے، کہ اب تک ہندوستانی موسیقی میں سات "نائک" گزرے ہیں۔ اوّل امیر خسرو۔ دوم سلطان حسین شرقی۔ سوم چنچل سین۔ چہارم باز بہادر فرمانروائے مالوہ۔ پنجم سورج خان قوال۔ ششم۔ چاند خان کبیر۔ ہفتم۔ غلام رسول لکھنوی یعنے سات باکمال نائکوں میں صرف ایک ہندو اور باقی سب کے سب مسلمان ہیں۔[2]

اس کے بعد فنِ موسیقی کو شاہانِ مغل کے زمانوں میں جو فروغ ہوا۔ اس کے تذکرے اور اس کی تعریف میں سب مؤرخین رطب اللسان ہیں۔ بابر کا زیادہ وقت قسمت کے نشیب و فراز میں گزرا۔ لیکن اسے بھی نغمہ و سرود سے بے حد شغف تھا۔ توزک میں جابجا اپنی مجالس موسیقی اور گانے والوں کا ذکر کرتا ہے۔ ہمایوں بھی ماہرین موسیقی کا مرتبہ دان تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے مقربین کے تین حلقے تجویز کئے تھے۔ "اہلِ سعادت" میں علما و مشائخ اور ماہرین علوم۔ "اہلِ دولت" میں امرا و شہزادگان اور "اہلِ مراد" میں شاعر اور موسیقار شامل تھے، اور بادشاہ ان سب باکمالوں کو اپنی توجہ اور قدردانی سے نوازتا رہتا تھا۔

شہنشاہ جلال الدین اکبر کا عہد فنونِ لطیفہ کے حق میں ایک زرّین عہد تصور کیا جاتا ہے۔ اس بادشاہ کو فنِ موسیقی سے بے انتہا شغف تھا اور اس نے اپنے دربار میں بڑے بڑے باکمال موسیقاروں کو جمع کر رکھا تھا۔ اس کے عہد میں باز بہادر حاکم مالوہ موسیقی کا عاشق اور باز خانی اسلوبِ سرود کا موجد تھا۔ اودھے پور کی رانی میراں بائی مشہور شاعرہ اور مغنیہ تھی۔ ملہار راگ کی ایک قسم جسے میراں بائی ملہار کہتے ہیں، اسی رانی کی اختراع ہے۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے، کہ شہنشاہ اکبر موسیقی کے بے حد شیفتہ ہیں۔ ندبار میں گانے والوں اور گانے والیوں کا کوئی شمار نہیں۔ ان میں ہندو، مسلمان، ایرانی، تورانی، کشمیری زن و مرد سب پائے جاتے ہیں۔ میاں تان سین گوالیاری

---

[1] فرشتہ سوم ۷۲۔ [2] راگ درپن فقیر اللہ۔

دربارِ اکبری کا سب سے بڑا گویّا تھا جس کے متعلق ابوالفضل کی رائے یہ ہے کہ گذشتہ ایک ہزار سال سے ہندوستان میں ایسا باکمال گویّا پیدا نہیں ہوا۔ یہ شخص ریاست ریوا کے کسی برہمن کے ہاں پیدا ہوا تھا۔ ٹامس ولیم بیلی اپنی کتاب بائیوگرافیکل ڈکشنری میں لکھتا ہے۔ کہ تان سین راجا رام چندر کے دربار میں ملازم تھا۔ راجا نے اکبر کی فرمائش پر اسے دربارِ شاہی میں بھیجدیا۔ اس کا گرو پنڈت ہری داس سوامی تھا۔ جو موسیقی میں سرآمدِ عصر تھا اور جمنا کے کنارے ایک کٹیا میں رہتا تھا۔ تان سین بعد میں مسلمان ہوگیا تھا۔ جلوسِ اکبری کے چونتیسویں سال ۱۵۸۸ء میں اس کا انتقال ہوگیا گوالیار میں اس کا مزار گویّوں اور سازندوں کا مرجعِ عقیدت بنا ہوا ہے۔ ایک اور گویّا رام داس بھی دربارِ اکبری میں موجود تھا۔ جو تان سین ثانی کہلاتا تھا اور اس کو ایک موقع پر خانِ خاناں نے ایک لاکھ روپیہ انعام دیا تھا[1]۔

اگرچہ تان سین نے بہت سے راگوں میں اپنی جدت پسندی اور جودتِ طبع کو کام میں لاکر دلفریب اختراعات کیں لیکن اس کے مخصوص راگوں میں درباری بے حد مقبول اور پسندیدۂ عام ہے۔ اس راگ کی ابتدا تو کرناٹک میں ہوئی تھی اور ہندوستانی موسیقار اسے کانہڑا کہتے تھے۔ لیکن شہنشاہ اکبر کو یہ ثقیل نام پسند نہ آیا۔ چونکہ دربار کا پسندیدہ راگ تھا اس لئے اسے درباری کہنے لگے۔ مسٹر پوپلے کی تحقیق یہ ہے۔ کہ ہمارا مشہور ساز رباب تان سین ہی کی ایجاد ہے میاں کا ملہار، میاں کی ٹوڈی، میاں کا سارنگ تان سین کے مشہور راگ ہیں۔

تان سین کے علاوہ دربارِ اکبری کے ممتاز موسیقار یہ تھے[2]:-

سبحان خان گوالیاری۔ ہری گیان خان، گوالیاری۔ میاں چاند، گوالیاری۔ بچتر خان برادر سبحان خان گوالیاری محمد خان، ڈھاڑی۔ داؤد ڈھاڑی۔ سرود خان گوالیاری۔ میاں لال گوالیاری۔ تان ترنگ خاں پسر تان سین۔ بلاس خاں پسر تان سین (اس کا ذکر بادشاہ نامہ عبدالحمید لاہوری میں ہے)۔ ملّا اسحاق ڈھاڑی۔ تانک جرجو گوالیاری سور داس پسر رام داس۔ چاند خاں گوالیاری۔ رنگ سین (آگرہ)۔ رحمت اللہ برادر ملّا اسحاق۔ بیرزادہ۔

یہ تو گانے والے تھے۔ اب چند باکمال سازندوں کے نام ملاحظہ ہوں:-

بیر منڈل خاں گوالیاری، ساز:- سُرمنڈل۔ شہاب خاں اور پوربین خاں، ساز: بین۔ اُستاد دوست مشہدی ساز: نَے۔ شیخ دیوان ڈھاڑی، ساز:- کرنائے۔ استاد یوسف ہراتی، استاد ہاشم مشہدی، اُستاد محمد امین، اُستاد محمد حسین ان سب کا ساز طنبورہ تھا۔ اور میر سید علی مشہدی و بہرام قلی ہراتی ساز: غجک بجایا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ تاش بیگ قپچاقی، ساز:- قوبوص۔ قاسم جس نے قوبوص اور رباب کی آمیزش سے ایک نیا ساز تیار کیا۔ اُستاد شاہ محمد ساز:- سُرنائے۔ میر عبداللہ ساز:- قانون کے خوب ماہر تھے۔

صرف میاں تان سین ہی پر موقوف نہیں۔ عہدِ اکبری میں فنِ موسیقی کے دوسرے باکمال ماہرین بھی موجود تھے۔

---

[1] بدایونی۔ [2] آئینِ اکبری۔

اور ان کے قدر دانوں کی بھی کمی نہ تھی ۔ شاہ نواز خان صفوی کا ذکر اس سے قبل آچکا ہے ۔ مُلا عبدالقادر بدایونی اور شیخ مبارک کے کمالات مولانا ابوالکلام کے اقتباس سے واضح کئے جا چکے ہیں فیضی کے متعلق بدایونی نے لکھا ہے ، کہ "وقوف در نغمہ ولایت و ہندی و مشق بین بقدر کردہ" ۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ فیضی کے کتب خانے میں طب ، نجوم ، نظم اور موسیقی پر بے شمار کتابیں موجود تھیں ۔ ماثر الامرا میں لکھا ہے کہ اسلام خان فاروقی چشتی جو اکبر کے مرشد یعنی حضرت شیخ سلیم چشتی کے پوتے اور ابوالفضل کے بہنوئی تھے ۔ جہانگیر کے عہد میں بنگال کے صوبہ دار مقرر ہوئے ، یہ صاحب بیحد درویش طبع اور زاہد آدمی تھے ۔ صرف جوار کی روٹی اور ساٹھی کا خشکہ ساگ پات کے ساتھ کھاتے اور کسی دوسرے کھانے میں ہاتھ نہ ڈالتے ۔ عمر بھر جامۂ خاصہ کے نیچے گاڑھے کا کرتہ پہنتے رہے اور پگڑی کے نیچے بھی گاڑھے کی ٹوپی اوڑھتے ۔ لیکن ان کا دسترخوان بہت وسیع تھا اور اس پر پُر تکلف نعمتیں چُنی جاتی تھیں ۔ لیکن فنِ لطیف کی سرپرستی کا عالم یہ تھا ، کہ اسّی ہزار روپیہ ماہوار راگ اور رقص کے طائفوں پر صرف کیا جاتا تھا ۔

عہدِ اکبری کے مشہور و مقبول گانے والوں میں شیخ منجھو قوال مشہور ہیں ۔ شیخ ادھن جونپوری کے مرید تھے ۔ وضع صوفیانہ و درویشانہ رکھتے تھے ۔ اکبر ان کے کمالِ فن اور ان کی خدا پرستی کا بے حد معترف تھا ۔ ایک دفعہ بادشاہ نے ایک حوض میں ٹکے بھروا کر کہہ دیا کہ جتنے لے جا سکو لے جاؤ ۔ شیخ منجھو صرف ایک ہزار کے ٹکے کم اٹھا کر لے گئے ، زیادہ کی طمع نہیں کی ۔

اس زمانے میں ایک بہت بڑے ماہرِ موسیقی سید نظام الدین مدھو نایک بلگرامی گزرے ہیں جنھوں نے اپنی بے نیازی اور خودداری کی وجہ سے دربارِ شاہی کے ساتھ کوئی رابطہ نہ رکھا ۔ ان کو موسیقار عام طور پر میراں مدھو نایک کہتے ہیں عربی ، فارسی ، سنسکرت بھاشا کے عالم تھے ۔ ہندی میں شعر بھی خوب کہتے تھے ۔ نہایت زندہ دل شگفتہ طبع اور محفل آرا آدمی تھے ۔ موسیقی میں کمال رکھتے تھے یہاں تک کہ انکی شہرت و ناموری کے باعث بعض اہلِ فن نے انہیں نایک تسلیم کر لیا ۔ ہندی موسیقی پر ان کی دو کتابیں بھی موجود ہیں ۔ "نادچندریکا" اور "مدھونایک سنگار" انکے کمال کی نسبت بہت سی کہانیاں مشہور ہیں ۔ مثلاً ایک دفعہ ان کے میگھ راگ گانے سے عین خشک سالی کے زمانے میں بڑے زور کی بارش ہوگئی تھی ۔ تان سین انکے کمال کا شہرہ سنکر بلگرام آیا اور انکے تبحر کا قائل ہو کر واپس گیا ۔

اس زمانے کے ایک صوفی بزرگ مخدوم بہاء الدین برناوی مشہور ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کا گرانقدر حصہ موسیقی کے ذوق و اشتغال میں صرف کیا ۔ انھوں نے اپنی زیادہ تر عمر اکبر کے عہد میں بسر کی اور اس کے بعد جہانگیر کے عہد کا ابتدائی دور بھی دیکھا ۔ پروفیسر شیرانی لکھتے ہیں کہ "مسلمانانِ ہند میں دو نامور شخص کاملُ النبوت قرار پاگئے ہیں جنھوں نے ہندوستانی موسیقی کی سب سے زیادہ خدمت کی ۔ امیر خسرو اور مخدوم بہاء الدین ـــــ مخدوم صاحب کے کچھ حالات فقیر اللہ سیف خاں نے راگ درپن میں لکھے ہیں ۔ انھوں نے دو ساز بھی ایجاد کئے تھے "ساز خیال" اور "گھٹ رس" ۔ ساز خیال کی شکل ایک چوبی قلمدان کی تھی جس کا ڈھکنا بند رہتا تھا ۔ جب ڈھکنا کھولا جاتا تو یہ قلمدان سات تاروں کا ایک ساز نظر آتا ۔ "گھٹ رس" بھی تاروں ہی کا ایک ساز تھا جو کمانچہ و مضراب کی مدد سے بجایا جاتا اور ہاتھ سے ڈھولک پر تال دی جاتی ۔ جب یہ ساز بجتا ۔ تو طبلہ ، رباب ، بین اور سارنگی کا مجموعہ معلوم

ہوتا۔ مخدوم بہاء الدین کے ایک شاگرد لڈن جوکھنے جو شاہ جہانگیر کا درباری گویّا تھا۔ دربار میں "سازِ خیال" بجا کر بھی دکھایا تھا۔ اس عہد میں خیال گانے کا ایک بہت بڑا ماہر میر علا دل بھی تھا۔[1]

یہ معلوم ہے کہ خیال کے اسلوب کو سب سے پہلے سلطان حسین شرقی جونپوری نے رواج دیا تھا لیکن اس اسلوب کے دقائق کا وسیع علم مخدوم بہاء الدین ہی کو حاصل تھا۔ انھوں نے ہندی میں بعض نہایت نفیس خیال مرتب کئے۔ اور بعض درباری گویّوں کو ان کی تربیت بھی دی۔ شیخ بوجوا اور محبّت خان قوال انہی گویّوں میں سے تھے۔ مخدوم صاحب نے چند ذکریہ بھی تصنیف کئے تھے۔ جن کو عوام چکری کہتے تھے۔ یہ گویا حمد و نعت اور شجرہ ہائے اولیاء کے کچھ گیت اور زمزمے تھے جو اس زمانے میں للت، بلاول، ٹوڈی اور کلیان کے راگوں میں گائے جاتے تھے اور اہلِ حال کیلئے کیف و مستی کا سامان بہم پہنچاتے تھے۔[2]

جہانگیر بھی موسیقی کی شفتگی میں باپ سے کم نہ تھا۔ اقبال نامہ میں اس کے درباری موسیقاروں کے یہ نام لکھے ہیں:۔ جہانگیر داد، پرویز داد، خرم داد، چتر خان، ہما بول داد، مکھو حمزہ۔ شاہجہاں کے زمانے میں بھی جگن ناتھ (کویراج) دارنگ خان اور لال خان بہت نامور گویّے تھے۔ یہ لال خان تان سین کے بیٹے بلاس خان کا داماد تھا اور اسکو شاہجہان نے گن سمندر کا خطاب دیا تھا۔ شاہ جہان خود بھی اچھا گا لیتا تھا۔ رام داس اور مہا پاتر اس کے ماہر ترین سازندے تھے۔ اس نے ایک دفعہ جگن ناتھ اور لال خان کو چاندی میں تلوا کر وہ چاندی ان کو عطا کر دی تھی۔

اگرچہ اُمرائے دربار علی العموم شعر و موسیقی کی قدر دانی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے اور ہر چھوٹا بڑا دربار اہلِ فن کے لئے حصارِ عافیت بنا ہوا تھا لیکن عبدالرحیم خانخاناں نے موسیقی کی قدر افزائی میں بادشاہوں کو مات کر دیا۔

تان سین کے بعد اس کے اسلوب کو اس کے جانشینوں مثلاً تان رس خان، بلاس خان، ممن خان اور دوسروں نے زندہ رکھا اور بادشاہوں اور والیانِ ریاست کے درباروں میں قدر و عزت پاتے رہے۔ نواب ذالقدر درگاہ علی خان کی کتاب "دہلی بارھویں صدی ہجری میں" جہاں اربابِ طرب کا ذکر آیا ہے۔ وہاں پچاس کے قریب نامور گویّوں اور سازندوں کا تذکرہ موجود ہے۔ مثلاً نعمت خان بین نواز، غلام محمد سارنگی نواز، رحیم سین (از احفاد تان سین) شجاعت خان کلاونت، بوبے خان کلاونت، سوار خان گویّا، گھانسی رام پکھاوجی، حسین خان ڈھولک نواز۔ نور بائی، ججن امیر بیگم وغیرہ۔ یہ محمد شاہ (رنگیلے) کا زمانہ تھا۔

بہادر شاہ ظفر کے دربار میں سب سے بڑے موسیقار تان رس خان تھے۔ نام قطب بخش تھا۔ تان رس کا خطاب بادشاہ نے دیا تھا۔ ان کے خاندان میں دُھرپد کا رواج تھا۔ لیکن تان رس خاں نے "قوال بچوں" کے مشہور خاندان کے ایک کامل الفن میاں اچپل کی شاگردی اختیار کر کے خیال رنگ کا آغاز کر دیا، اور بہت ناموری حاصل کی۔

---

[1] مضمون پروفیسر خادم محی الدین۔ [2] حکایات عالمگیر جدو ناتھ سرکار ۱۷۳-۱۷۴۔

محمد مظہر الدین صدیقی

صوفیاء اور علماء

پروفیسر مسگنان نے اسلامی تصوف کے بارے میں جو تحقیقاتی کام انجام دیا ہے اس سے اس امر کا وافر ثبوت ملتا ہے کہ صوفی تحریک اسلامی تعلیمات کے داخلی میلانات سے ابھری اور قرآن و سنّت سے ماخوذ تھی۔ اس لئے اُسے عجمی الاصل قرار دینا غلط ہے۔ اس کے باوجود یہ امر واقعہ ہے کہ عربوں کا قومی مزاج صوفیانہ واردات و تجربات سے میل نہیں کھاتا تھا۔ ذہنی حیثیت سے عرب قوم تجربیت اور عملیت کی جانب زیادہ مائل تھی اور باطن سے زیادہ خارج کو اہمیت دیتی تھی اس لئے صوفی تحریک کی نشو و نما میں ان قوموں کا زیادہ حصّہ ہے جنھوں نے عیسائی اور زردشتی اثرات کے ماحول میں پرورش پائی اور بعد میں مشرف با سلام ہوئیں۔

مغربی ایشیا کی سرزمین میں جو مذاہب پیدا ہوئے ان میں اسلام اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس میں مادّی زندگی سے کراہت کا جذبہ اور زاہدانہ ریاضت کا عنصر بہت کم پایا جاتا ہے۔ مثلاً اسلام نے تجرّد کی زندگی کو ناپسندیدہ قرار دیا اور دینداروں کے کسی مخصوص طبقہ کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ علاوہ ازیں اسلام کو ابتدا ہی سے سیاسی اور ملکی مسائل میں اُلجھنا پڑا، جبکہ عیسائیت کو تین سَو سال تک مُلکی اُمور سے کوئی سروکار نہ تھا۔ لیکن ابتدائے اسلام سے بعض طبائع ایسے موجود تھے جنھیں اسلام کے ظاہری شعائر اور خارجی قوانین کے مقابلہ میں اس کے باطنی اور اخلاقی پہلو سے زیادہ دلچسپی تھی۔ وہ صرف شریعت کی ظاہری پابندیوں پر اکتفا نہیں کرتے تھے، بلکہ اس کی اخلاقی اساس کو زیادہ مستحکم دیکھنا چاہتے تھے، اور اصلاح اعمال کو رسمی پابندیوں سے زیادہ ضروری سمجھتے تھے۔ ان لوگوں کی زندگی میں ریاضت اور پارسائی کا عنصر نمایاں تھا اور وہ دنیوی جاہ و جلال، شان و شوکت اور دولت و ثروت کو اخروی زندگی کے مقابلہ میں ہیچ خیال کرتے تھے۔ عالم مادّی سے انھیں بہت کم لگاؤ رہ گیا تھا، کیونکہ اس کی ترغیبات و تحریصات کو وہ رُوحانی ارتقاء کے منافی سمجھتے تھے۔ ان پر خوفِ عقبیٰ کا جذبہ غالب تھا۔ حضرت حسن بصریؒ اسی گروہ کے ایک ممتاز نمائندے تھے۔

صُوفی کی اصطلاح کب اور کیونکر شروع ہوئی اس کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کرنا دشوار ہے لیکن عام خیال یہ ہے کہ یہ اصطلاح ایک خاص قسم کے لباس سے وابستہ ہے۔ عربی میں صُوف اُون کو کہتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے، کہ صوفی المزاج اشخاص اس قسم کے لباس کو ایک امتیازی علامت کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ ابتداء میں